R. No. 218657

Regd. No. 922

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تار کا پتہ - انجمن
ٹیلی فون - ۲۹
قیمت تین روپئے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

تاریخ اشاعت
۲۳-۱۵-۸-۱

جلد ۲۲ - شمارہ ۲۶ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | ۸ جولائی ۱۹۶۳ء

حیات اللہ انصاری

رسمِ خط کی اصلاح کی کچھ اور تجویزیں

اپنا مضمون پڑھنے کے بعد ذہن میں یہ آیا کہ جس قسم کی اصلاحیں اس میں پیش کی گئی ہیں اسی قسم کی بعض اصلاحیں اور بھی ہیں ان کو بھی کیوں نہ پیش کر دیا جائے۔ یہ بات دوسری ہے کہ یہ دوسرے نمبر کی اصلاحیں ذرا دیر ہضم ہیں لیکن اس پر بھی مناسب یہی ہے کہ ان کو غور کرنے کے لئے پیش ہی کر دیا جائے۔

کُرسی پہلے بدستور کرسی کا مسئلہ لیا جاتا ہے اور کرسی کے مسئلے میں سوال یہ آتا ہے کہ طرزِ تحریر کی ایک اصل سطح کا تعیّن ضروری ہے۔ تاکہ اس سے طے کیا جائے کہ کون حرف اس سطح سے کے گنا نیچے جاتا ہے یا کے گنا اوپر جاتا ہے۔ اصل سطح کے مقرر کر لینے سے کرسی کے بہت سے مسئلے کسی حد تک حل ہو جائیں گے۔

ایک تجویز پیش کی جاتی ہے غور کرنے کے لئے۔ وہ یہ کہ اصل سطح وہ جگہ مقرر کی جائے جہاں واؤ کا سر ختم ہوتا ہے۔ یعنی یہ و لیکن اس صورت میں دال اور رے کو بس اتنا بنانا ہوگا کہ ان کا سر اس جگہ ختم ہو جائے جہاں سے واؤ کا سر شروع ہوتا ہے د ر و یعنی واؤ ان دونوں حرفوں کا سوار ہے گا۔ اس طرح د ر و سے شوشوں والے جو حروف ملیں گے وہ سب ایک سطح پر رہیں گے۔

دشواری پڑے گی ہائے مخفی میں۔ لیکن یہ دشواری یوں دور ہو جائے گی کہ ہائے مخفی بنیادی سطح سے ذرا نیچے آکر ختم ہو جائے۔

اس طرح د اور ر کے سائز سے کرسیاں مقرر کی جائیں۔ اسی کی ڈیوڑھی، دگنی، ڈھائی گنی اور تگنی ہوں۔ اوپر ہوں یا نیچے ہوں، خطاط حضرات کی مدد سے گراف کاغذ پر کرسیوں کا تعیّن کیا جائے۔

چھوٹی ہے کا مسئلہ بھی کافی پیچیدہ ہے۔ وہ کئی طرح سے بنتی ہے۔ ان میں دوچشمی ہے کو تو شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس کا ایک مخصوص عمل ہے، اور اسی کے لئے وہ متعین ہے، لیکن گول ہے، کہنی دار ہے، مخفی یا مختفی ہے اور شوشے والی ہے، ان سب کی آوازیں ایک ہیں، صرف املا میں ان کی جگہیں بلا کسی صوتی اصول کے مقرر کر لی گئی ہیں۔ مثلاً رہنا، رہ یا وہ، وہاں، یہاں، ان جگہوں پر آوازیں ایک ہیں، مگر شکلیں الگ الگ۔ کیا ہے کی اتنی شکلوں میں سے ایک دو شکلوں کو کم نہیں کیا جاسکتا ہے؟

میرا خیال یہ ہے کہ گول ہے اور شوشے والی ہے کو آسانی سے اڑایا جاسکتا ہے، اور ان دونوں کی جگہ کہنی دار ہے سے کام نکالا جاسکتا ہے۔ مثلاً وہ کا املا وہ اور رہ کا املا رہ ہو سکتا ہے۔ اور وہاں کو وہاں لکھا جاسکتا ہے۔

اس املا میں ایک دشواری پیش آئے گی۔ وہ یہ کہ یہا اور یہاں میں بہت کم فرق رہ جائے گا۔

اس دشواری کو یوں دور کیا جاسکتا ہے کہ اوپر کے شوشے کو ترک کر دیا جائے اور یہاں کو یہاں لکھا جائے۔ یہ خط بھی ایک زمانے میں مروّج تھا، اور نستعلیق اصول پر بہت خوبصورت دائرہ بنتا ہے۔

ہائے مخفی کی اصل آواز کیا ہے؟ "یہ نہ کرو"

میں نہ میں ہائے مخفی نے نون کے زبر کی آواز کو آدھا کر دیا ہے۔ یعنی بالکل وہی آواز پیدا کی جو ہندی کے न میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ میں ہے کی آواز بھی نکلی، اور ساتھ ساتھ پورے زیر کی آواز بھی۔

شعر کے وزن میں جب نہ آتا ہے تو وہ ایک حرف متحرک کی آواز دیتا ہے۔ لیکن جب یہ آتا ہے تو وہ دو حرفوں کی جن میں پہلا متحرک اور دوسرا ساکن ہے، آواز دیتا ہے۔

اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ ہائے مخفی سے دو مختلف قسم کے اور متضاد کام لئے جاتے ہیں، اس لئے بہتر ہو کہ اس سے صرف وہ کام لیا جائے جو کسی اور ہے سے نہ لیا جا سکے۔

میرے خیال میں وہ اور گھر اور اور فارسی کے لفظ بہر کی طرح یہ کو بھی کھنی دار ہے سے لکھا جائے۔ ہائے مخفی کو صرف ان حرفوں کے لئے رکھا جائے جہاں زبر، زیر یا پیش کی آواز کو گھٹانا مقصود ہو جیسے کہ نہ، کہ، موئہ۔

ایسی جگہوں کے علاوہ جہاں جہاں ہائے مخفی آتی ہے وہاں اس کی جگہ یا کھنی دار ہے استعمال کی جائے یا الف۔

اُردو میں کوئی ایسا اعراب نہیں ہے جو ہندی کے اُو جیسے اعراب کی جگہ لے سکے یعنی न नि नु کو ادا کر سکے۔ اگر ہائے مخفی کو اس کام کے لئے مخصوص کر دیا گیا تو اُردو کی یہ کمی پوری ہو جائے گی۔

ہمزہ ایک مرتبہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے تجویز پیش کی تھی کہ ہمزہ ایک مستقل حرف ہے جس کی ایک مستقل شکل ہے، اس لئے اس کو کسی شوشے کے اوپر لکھنے کے بجائے الگ لکھنا چاہئے۔ جیسے کہ فاءدہ، گھاءل، باءی۔

لیکن ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ جن لفظوں میں وہ بیچ میں اس طرح پڑ جاتا ہے کہ الگ کرنا مشکل ہے وہاں بیچ ہی میں لکھا جائے۔ جیسے کہ جائیے، گئے۔ یہ تجویز اسی وجہ سے پسند نہیں کی گئی کہ اس میں استثنا بہت ہو جاتے ہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ اس طرح بیچ میں جہاں جہاں ہمزہ آتا ہے ان میں سے زیادہ تر مقامات ایسے ہیں جہاں ہمزہ کی جگہ بڑی یے کو آنا چاہئے۔

ایک زمانے میں چاہیے اور لیے کا املا بھی ہمزہ سے لکھا جاتا تھا لیکن پھر صوتی اعتبار سے ہمزہ کو بڑی یے سے بدل دیا گیا اسی طرح گیا کی جمع گیے کو بھی ہمزہ سے نہیں بڑی یے سے ہونا چاہیے۔ اسی طرح کیا اور کیے۔ ہندی میں ایسے الفاظ کو اے سے بھی لکھتے ہیں اور یے سے بھی۔

اب رہ گئے کھائیے، جائیے۔ سو ان کے ہمزہ کو آسانی سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو: کھاءیے، جاءیے، لاءیے۔

یہ اصلاح ہجے کی بہت سی پیچیدگیوں کو کم کر دے گی۔

ہماری زبان
۸ جولائی ۱۹۶۳

مثبت اور منفی نقطۂ نظر

اُردو شاعری میں یاسیت کی لہر بہت گہری ہے، ہماری محبوب لے ماتمی لے ہے، ہمارا مخصوص اظہار شکوہ ہے۔ فلک کج رفتار کا شکوہ، یا اغیار کا شکوہ ہمارا محبوب اسلوب طنز کا اسلوب ہے۔ ہم سب طنز کے نشتروں کے دلدادہ ہیں۔ ہمیں یہاں نہایت خلوص سے یہ عرض کرنا ہے کہ جس طرح کوئی اعصاب زدہ مریض ہر بات کو اپنے اوپر ایک اور نئی مصیبت سمجھتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں اور لوگ جو اپنی اسکیموں پر عملدرآمد کرتے نظر آتے ہیں تو ہم یہ طے کرلیتے ہیں کہ یہ تبدیلیاں ہمارے خلاف ہیں اور یہ اسکیمیں ہم کو ختم کرنے کے لئے ہیں۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے، لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ مثلاً زمینداری کا نظام فرسودہ ہوگیا تھا اُسے بدلنا تھا۔ کچھ لوگ وقت کے اشارے کو سمجھ چکے تھے اور انھوں نے اس کے علاوہ دوسرے کام شروع کردئے تھے۔ مگر جو لوگ زمینداری سے ہی چپٹے رہے وہ زمینداری ختم ہونے کے بعد تباہ ہوگئے۔ اسی طرح جب یہ طے ہو گیا کہ ابتدائی تعلیم عام ہوگی اور بچے کی مادری زبان میں ہوگی تو قدرتاً ان علاقوں میں جہاں مادری زبان ہندی تھی، ہندی کی تعلیم کو بہت فروغ ہوا۔ ہندی کے کچھ نادان دوستوں نے یہ سمجھا کہ جب تک اُردو کی ترقی کو نہ روکا جائے ہندی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس لئے اُنھوں نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ سارے اُترپردیش ہی کی مادری زبان ہندی قرار دے دی جائے اور جب اس پر احتجاج ہوا تو یہ ثابت کرنے لگے کہ اُردو کوئی علٰحدہ زبان نہیں ہے۔ یہ ایک اسلوب یا شیلی ہے اور صرف چند شہروں تک محدود ہے۔ جب جمہوریت کے اصولوں کو اپنایا گیا تو یہ بھی ماننا پڑا کہ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ضروری ہے اور ان حقوق میں زبان کو خاص اہمیت ہے چنانچہ لسانی اقلیتوں کی زبانوں کی ترقی کے لئے کچھ اقدامات کئے گئے۔ یہ اقدامات اس لئے زیادہ کامیاب نہیں ہوئے کہ اول تو جمہوری اخلاق پروان نہ چڑھ سکا، دوسرے لوگوں کو کچھ طاقت کا نشہ تھا۔ مگر اس کے باوجود بہت سی تبدیلیاں خاص طور سے اُردو کے خلاف کسی جذبے کی وجہ سے نہیں ہوئیں، ایک نئی بیداری، نئے احساس اور عوامی ضروریات کے لحاظ سے ہوئیں۔ یہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے کہ اکثریت اردو کو ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے اور اس لئے اُردو کا مستقبل ہندستان میں تاریک ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ ہر جگہ عوامی طاقتیں اُبھر رہی ہیں، علاقے اپنا اظہار اور اپنی ترقی چاہتے ہیں اور یہ ترقی اپنی جگہ اچھی چیز ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے اقلیتوں کے حقوق کی پامالی نہ ہو اور جمہوریت کا ایمان نہ ہونے پائے۔ یعنی ہندی کی ترقی قدرتی ہے اور ہمیں نہ صرف اس ترقی کے پیچھے طاقت کو سمجھنا چاہئے بلکہ اس کی اپنے طور پر تائید بھی کرنی چاہئے۔ ہم میں سے بہت سے ایسا کر بھی رہے ہیں مگر اس معاشرے میں اور مائل اظہار ہونے کی ضرورت ہے۔ اس ہندی کی ترقی کے یہ معنی جو سمجھ لئے گئے ہیں کہ اقلیتوں کی زبانوں کو پامال کردیا جائے اس پر صرف ہمیں احتجاج کرنا چاہئے بلکہ ایک جامع قومی نقطۂ نظر کی روشنی میں اس خیال کی کوتاہی اور کجی کو اس طرح واضح کرنا چاہئے کہ اس کے چلانے والے اپنی روش سے باز آجائیں اور اگر نہ آئیں تو عوام اُن کی اصلاح پر مجبور ہو جائیں۔ مثلاً سہ لسانی فارمولے پر اب تک جس طرح اظہار خیال ہوا ہے اُس سے سنسکرت کی مخالفت زیادہ سامنے آتی ہے۔ حالانکہ ہمیں سنسکرت کی مخالفت نہیں کرنا ہے صرف یہ بتانا ہے کہ مرکزی وزیروں کی کانفرنس نے جب سنسکرت کے بجائے جدید ہندستانی زبانوں کو شامل کرنا طے کیا تو اس فیصلے کی سب کو پابندی کرنی چاہئے۔ پھر بھی جو لوگ سنسکرت لینا چاہتے ہیں وہ ضرور یہ زبان لیں مگر سنسکرت اس طرح لازمی نہ کردی جائے کہ کسی جدید ہندستانی زبان مثلاً اردو کی گنجائش ہی نہ رہے اور اردو بولنے والوں کو یا تو سنسکرت لینی پڑے یا پھر ایک چوتھی زبان کے طور پر اُردو لینے کی انھیں کاغذ پر اجازت ہو، عمل میں صفر۔ اس بات کو کھول کر کہنے کی ضرورت ہے۔ پھر اپنے علاقے کے قومی کارکنوں کے ذریعے سے اسے سنوانے کی ضرورت ہے۔ محض اخبار میں یہ مضمون لکھ دینا کافی نہیں کہ سہ لسانی فارمولے نے اُردو کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ اپنے عمل سے یہ ثابت کرنا ہے کہ جب تک سہ لسانی فارمولے میں اُردو لینے کی پوری سہولت عمل کی دنیا میں نہ ہوگی اس وقت تک ہم چین سے نہ بیٹھیں گے۔ یہ استقلال جمہوریت پر ایمان سے پیدا ہوتا ہے اور اپنے پر اعتماد سے۔ اس لئے ہمیں سنسکرت کی مذمت پر زور طبع صرف نہیں کرنا چاہئے، اردو کے شمول پر ہر حال میں اصرار کرنا چاہئے۔ منفی اور مثبت نقطۂ نظر کے فرق کو نظرانداز کرکے ہم اپنا نقصان کریں گے اور بلاوجہ دوسروں کو بدظن کرلیں گے۔

سیر بین

ایک ریختی گو کا شعر ہے ؎

اے بوا صورت تو دیکھو لگتے ہو لنگور سے
داڑھی منڈواؤ میں باز آئی خدا کے نور سے

یہ تو انیسویں صدی کے ایک شاعر کا خیال تھا، آج حالات بدل گئے ہیں۔ نوجوانوں میں داڑھی مقبول ہو رہی ہے اور یہ صرف مسلمان نوجوانوں کی ہی خصوصیت نہیں، ہندو نوجوانوں کو بھی داڑھی رکھنے کا شوق ہو رہا ہے۔ پتلون بھی اب تنگ پاجامے سے مشابہ ہوتی جا رہی ہے چنانچہ چوڑی مہری کی پتلون صرف ادھیڑ عمر کے لوگوں کے جسم پر ہی نظر آتی ہے۔ کچھ لوگ اسے اسلام کا خاموش اثر کہیں گے، کچھ کے نزدیک اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ گرانی بڑھ گئی ہے۔ اچھے ٹیلر بہت مہنگے ملتے ہیں اور تنگ مہری کی پتلون میں شاید کپڑا کم ہی خرچ ہوتا ہے۔

ادھر عورتوں میں کل تک لمبی قمیص مقبول تھی، مگر اب پھر کفایت شعاری کی طرف میلان ہے۔ ساڑی کی لمبائی تو وہی ہے مگر بلاوز کم ہوتا جا رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کفایت شعاری حد سے بڑھ جائے۔ خطرناک تو اب بھی ہے۔

ہماری سمجھ میں یہ بات اب تک نہیں آئی کہ چین سے ہمارا جھگڑا سہی، مگر چینی کیوں مہنگی اور کمیاب ہو رہی ہے۔ آخر چینی تو

ہم نہ صرف اپنی ضروریات کے لئے کافی پیدا کرتے ہیں، بلکہ باہر بھی بھیج سکتے ہیں۔ آج کل جہاں جائیے چینی کی گرانی اور کم یابی کا تذکرہ ہے۔ اب اس کے کوپن ملنے لگے ہیں اور کچھ لوگوں کو ادھر اُدھر سے مانگ کر جمع کرنے کی فکر ہو گئی ہے تاکہ اس گرمی میں شربت اور آئس کریم کا شغل جاری رہ سکے۔ خیر جب تک آم موجود ہیں چینی کی کمی پر کون غور کرے۔ آج کل یہی مٹھاس کافی ہے۔

جن سنگھ اور اُردو

لکھنؤ۔ کل ہند جن سنگھ کے جنرل سکریٹری ناناجی دیش مکھ سے یو۔پی پبلسٹی اینڈ نیوز سنڈیکیٹ کے ایک نمائندے نے ملک کے عام مسائل پر انٹرویو کے دوران بہت سے سوالات کئے۔ اُردو کے سلسلے میں سوال و جواب حسب ذیل ہے:

سوال۔ جن سنگھ اُردو کی مخالف کیوں ہے؟ کیا وہ اُردو کو ایک غیر ملکی زبان تصور کرتی ہے؟

جواب۔ ہم اُردو کے قطعی مخالف نہیں۔ اُردو انگریزی کی طرح غیر ملکی زبان نہیں۔ اُردو ہندوستان میں پیدا ہوئی اور اس ملک کی عظیم زبان ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ زبان اسلام کے ماننے والوں تک محدود ہو رہی ہے۔ ہم فارسی رسم الخط کے بھی مخالف نہیں۔ لیکن ہماری یہ رائے ہے کہ جس طرح اسلامی تعلیمات بنگال میں بنگالی میں، ترکستان میں ترکی میں، چین میں چینی زبان میں، برما میں برمی زبان میں، اسی طرح ہندوستان میں اُس کی قومی زبان ہندی میں عام ہونا چاہئیں۔ کیونکہ فارسی رسم الخط تک ان تعلیمات کو محدود رکھنا اچھا نہیں (روزنامہ دعوت)

{اس سلسلے میں آئندہ شمارے میں ہمارا نوٹ ملاحظہ کیجئے۔ ادارہ}

انجمن ترقی اُردو بنارس کی سرگرمیاں

انجمن ترقی اُردو ہند کی شاخ بنارس نے سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں اپنی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ یکم جون کو کیا جس میں اُردو ہفتہ منانے اور ضلع اُردو کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس قلیل عرصے میں ضلع کے دیہات، قصبات اور شہر میں دورے اور جلسے کرکے سہ لسانی فارمولے کی حقیقت اور اہمیت سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا اور نئے تعلیمی سال سے بچوں کو چھٹے درجے میں اُردو کو اپنی مادری زبان لکھانے کی تاکید کی گئی۔

۲۳ جون کو سبجیکٹس کمیٹی کی میٹنگ میں اہم تجاویز منظور کی گئیں، اور شام کو بنیا باغ کے میدان میں ضلع اُردو [illegible] اس موقع پر سکریٹری انجمن ترقی اُردو بنارس نے انجمن کی چودہ سالہ سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کی۔ انجمن کی طرف سے اُردو فنڈ کے نام سے پندرہ ہزار روپے کا ایک فنڈ کھولنے کی تجویز بھی پیش ہوئی۔ نیز اور چند تجاویز پاس ہوئیں جن میں سے خاص خاص تجویزیں یہ ہیں:

تجاویز

(۱) جولائی سنہ ۱۹۶۳ء میں جونیر ہائی اسکولوں اور ہائر سکنڈری اسکولوں کے درجے ۶ میں داخلے کے وقت ہر وہ سرپرست جو اپنے بچے کو اُردو پڑھانا چاہے، فارم داخلہ کے ساتھ ایک مزید درخواست اس مضمون کی دے کہ سہ لسانی فارمولے کے تحت ہمارے بچے کو تیسری زبان اُردو پڑھائی جائے۔

(۲) انجمن ترقی اُردو بنارس کی یہ کانفرنس حکومت یو۔پی کی توجہ آنریبل پنڈت جواہر لال نہرو کی حالیہ تقریر کی طرف مبذول کراتی ہے جس میں انھوں نے سنسکرت کو سہ لسانی فارمولے میں شامل نہ کرنے کی تائید کی ہے یہ کانفرنس اس بنا پر کہ موجودہ نصاب میں ہندی کے ساتھ اس وقت سنسکرت بھی شامل ہے اور ہندی کے پرچوں میں ۳۳ نمبر کے سوالات صرف سنسکرت کے بھی ہوتے ہیں، حکومت اُتر پردیش سے درخواست کرتی ہے کہ وزرائے تعلیم کی دہلی کانفرنس کے فیصلے کے مطابق وہ سنسکرت کی بجائے کسی دوسری جدید زبان کو اسکولوں میں پڑھانے کی سہولتیں فراہم کرے تاکہ دستور کے مطابق اقلیت کی زبان کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے اور وہ بچے جن کی مادری زبان اُردو ہے آسانی کے ساتھ اُردو پڑھ سکیں۔

(۳) انجمن ترقی اُردو بنارس کی یہ کانفرنس مرکزی وزارت اطلاعات و نشریات سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ آل انڈیا ریڈیو کو ہدایت کرے کہ وہ اس بات کا انتظام کرے کہ دہلی سے نشر ہونے والی اُردو خبروں کو بنارس ریڈیو اسٹیشن سے بھی نشر کیا جائے۔

(محمد ضمیر عالم کنوینر اُردو ہفتہ و ضلع اُردو کانفرنس)

لاہور میں یوم خواجہ حسن نظامی

لاہور میں حلقہ ادب پاکستان کے اہتمام سے جناب خالد محمود کی صدارت میں یوم خواجہ حسن نظامی منایا گیا۔ بہت سے شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں نے حضرت خواجہ کے ادبی، ثقافتی اور سیاسی کارناموں پر تبصرہ کر کے خواجہ صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا۔ آغا شورش کاشمیری، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اور سید امیرالدین قدوائی نے خواجہ صاحب کے جامع کمالات زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔ متعدد شعراء اور ادیبوں نے مقالے اور نظمیں پڑھیں اور اخبارات و رسائل نے خواجہ صاحب کی شخصیت اور فن پر مقالے شایع کئے۔ (ملخص از ماہنامہ منادی)

حسن شہیر

بہ یاد مجاز

جگمگاتے ہیں مہکتے ہوئے سپنے جیسے
میرے ہونٹوں پہ
اک تیری نگاہوں کا دیا روشن ہے
آپ آئے
مری پلکوں پہ
تو کیا رہتا ہے
اے خموشی تری باتوں میں مگر خاک نہیں
گم ہوئے جاتے ہیں موہوم سے لوگ
اک خیال آیا ـــــــ مگر
کوئی نہیں
آگ رکھے ہوئے ہونٹوں کے کنول
کچھ بجھے

اور یونہی گال پہ
دھیمے دھیمے
مسکرائے ہوئے
پلکوں کو اٹھائے
جیسے یہ ہمارے ہی جگائے ہوئے گل بوٹے ہیں
یوں کوئی میری نگاہوں میں پڑا سوتا ہے
دل کی آواز میں اک شمع جلا کرتی ہے

زیدی جعفر رضا

"دریچے"

یہ خاموش روشن دریچے بھی کیا ہیں!
بہت باوفا ہیں
مری آشنا ہیں
محبت میں ڈوبی ہوئی اک صدا ہیں
لئے اپنے دل میں ہزاروں فسانے
کہیں مسکراہٹ
کہیں رنج و غم
اور کہیں تلخ شکوے
کہیں دھڑکنیں سسکیاں، آہ و زاری
کہیں یہ خلا میں
ہیولے بناتے ہوئے قہقہے
اور کہیں رقص کرتے ہوئے
شوخ و شاداب
الھڑ جواں
حسن کے ناز و غمزے ـــــــ

یہ مدت سے کھلتے چلے آرہے ہیں
ہمیشہ اسی طرح کھلتے رہیں گے
کہ ان کو ـــــ
حسیں نرم و نازک جواں انگلیوں کا
سہارا ملا ہے
درشیدہ نے ان کو تبسم دیا ہے
نغمہ نے شوخی
زبیدہ نے آہ و فغاں نذر کی ہے
نشاط اور خورشید نے مل کے ان کو
فضا میں لرزتے ہوئے سرد و نم قہقہے
تلخ شکوے دئے ہیں۔

یہ روشن دریچے
مری زندگی تو نہیں ہیں
مگر زندگی کے
حسیں ترجماں ہیں
یہ ہندوستاں ہیں

غزلیں

اقبال ردولوی

ہم اور اہلِ ہوش کی صحبت کریں قبول
مانوس تجھ سے چشمِ غزالاں ہوئے ہیں ہم
سمجھے نہ ہم نفس تو ہماری خطا نہیں
لے دل لباسِ شعر میں عریاں ہوئے ہیں ہم
شاہد ہے اس کی گردشِ لیل و نہار بھی
تجھ سے بچھڑ کے کتنے پریشاں ہوئے ہیں ہم
گذری تمام عمر یقیناً بتوں کے ساتھ
اقبال پھر بھی صاحبِ ایماں رہے ہیں ہم

قوسی ناگوری

روشِ تسلیم میں جو کھو گیا ہے
وہی آسودۂ منزل ہوا ہے
جفا پر جب سے وہ مائل ہوئے ہیں
محبت کا مزہ آنے لگا ہے
تلاشِ آدمیت کر رہا ہوں
یہ میری سادگی کی انتہا ہے
گزرتے ہیں گراں ان کے کرم بھی
خودی نے یہ کہاں پہنچا دیا ہے
زمانہ ہو گیا ہے مسکرائے
نہ جانے کیا قوسی دل کو ہوا ہے

اختر نظمی

ساری عمر کا حاصل ہیں
کچھ یادیں کچھ افسانے
راہِ وفا میں چھوٹ گئے
ساتھی جانے پہچانے
اب بھی وہی ہے تشنہ لبی
کام نہ آئے پیمانے
ان آنکھوں کی مستی میں
ڈوب گئے ہیں میخانے

قاضی محمد عدیل عباسی

لسانی فارمولا
اُردو اور سنسکرت

(گزشتہ سے پیوستہ)

یو، پی گورنمنٹ کا رویّہ

شری سمپورنانند جی بدنام تھے لیکن رائے عامہ اور حکومت ہند کے دباؤ سے انھوں نے اُردو کے بعض مطالبات کو منظور کر لیا تھا۔ لیکن ابھی یہ معاملہ چل رہا تھا کہ سمپورنانند جی کو مستعفی ہونا پڑا اور شری سی بی گپتا اس ریاست کے وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ جن سیاسی حالات میں گپتا جی ظہور پذیر ہوئے تھے ان کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ پنڈت جواہر لال نہرو کے نظریات کو اپنانے میں کم سے کم وقتی طور پر جوش و خروش کا اظہار کریں چنانچہ شروع میں انھوں نے چند ایسی تقریریں کیں جن سے محبانِ اُردو جو مایوسی کے عظیم غار میں گر چلے تھے، انھیں امید کی کچھ کرن نظر آئی۔

لیکن گپتا جی کا پہلا امتحان وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس میں ہوا جہاں وہ ریاست اتر پردیش کے نمائندہ تھے وہاں انھوں نے اُردو کو بالکل نظر انداز کر دیا اور واپسی پر یہ بیان دیا کہ اُردو کا اس میں کوئی ذکر ہی نہیں آیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان ذکر نہ کرنے والوں کی صفِ اوّل میں خود آنجناب تھے۔ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے کیوں اجتناب کیا۔ دوسرا مرحلہ اس وقت درپیش ہوا جب اُس فارمولے کو عملی شکل دی جانے لگی۔ بعض سیاسی مبصرین نے جن کی عمر حق گوئی و بیباکی میں گزری ہے وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس کے فیصلے کے بعد ہی سمجھ لیا تھا کہ سنسکرت کو زبردستی تھوپ کر اُردو کو کالعدم کر دیا جائے گا چنانچہ چند نفوس نے سہ لسانی فارمولے پر ایک اشتہار شائع کیا اور اس میں ایسی مناسب ترمیمات کیں جن سے اُردو زندہ رہ جاتی تھی۔ اور جب پنڈت جواہر لال نہرو الہ آباد گئے تو یہ لوگ نہرو جی کے پاس ایک وفد لے کر گئے پنڈت جی نے برملا فرمایا کہ سنسکرت زندہ زبان نہیں ہے اور وہ سہ لسانی فارمولے میں شامل نہیں کی جا سکتی ہے۔ ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے یو پی گورنمنٹ نے جو فارمولا مرتب کیا اس میں سنسکرت شامل کی گئی تھی جس کے بعد آپ سے آپ اُردو خارج ہو جاتی تھی۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مرحوم واقعی مجاہد تھے۔ ممدوح نے اپنے امریکہ کے بستر مرگ سے ایک دلدوز خط گپتا جی کو لکھا جسے گپتا جی تو حذف کر گئے مگر اس کا جواب پنڈت جواہر لال نہرو نے دیا اور صفائی سے لکھا کہ سہ لسانی فارمولے میں اُردو کو شامل اور سنسکرت کو نہ شامل ہونا چاہیئے۔ اس نے بعض سادہ لوحوں کو مطمئن کر دیا مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ پنڈت جی کے نظریات کی عملاً تائید کرنے والے بہت کم ہیں۔ یہ لوگ چالاکی سے اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ یو پی گورنمنٹ نے حالات کو ناساز گار دیکھ کر اس پورے فارمولا ہی کو ملتوی کر دیا۔ سمجھنے والے سمجھ گئے کہ زیادہ ساز گار وقت کا انتظار ہے۔ اس کے بعد یادش بخیر کرپلانی کمیٹی کا نزول اجلال ہوا زندہ دلان الہ آباد پھر میدان میں کود پڑے اور انھوں نے ایک میمورنڈم کمیٹی کے سامنے اس غیر مبہم اور صریح بیان کے ساتھ روانہ کیا کہ سہ لسانی فارمولے میں سنسکرت شامل نہ کی جائے لیکن کرپلانی کمیٹی نے فیصلہ کر دیا کہ سنسکرت ہندوستان کی چودہ زبانوں میں ایک زبان ہے اور کسی زبان کو لسانی فارمولے سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پنڈت جواہر لال نہرو سے کھلا ہوا اختلاف تھا کرپلانی کمیٹی کے خلاف شورش بپا ہوئی اور گورنمنٹ نے اس کے منسوخ ہونے کا اعلان تو نہیں کیا لیکن اس رپورٹ کو شائع نہ کر کے اس نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ وہ اسے ماننے کا اقرار کرنا نہیں چاہتی مگر گورنمنٹ کے دل کے اندر کیا ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ اب دوبارہ جو سہ لسانی فارمولا مرتب ہوا ہے وہ وہی ہے جو کرپلانی کمیٹی طے کرنا چاہتی ہے یعنی یہ کہ چودہ زبانوں میں سے کوئی بھی زبان۔ اس طرح ایک منافقانہ رویہ اختیار کر کے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ یو پی گورنمنٹ نے پھر سنسکرت کی گنجائش سہ لسانی فارمولے میں نکال دی ہے اور ہمارا جو تجربہ بیس سال کا ہے اس کی روشنی میں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ چودہ زبانوں کا ذکر محض ایک حیلہ بن کر رہ جائے گا اور مختلف تدبیروں سے اُردو کو خارج کر کے سنسکرت کو رائج کر دیا جائے گا۔ اب اگر محبانِ اُردو ہر ہر جونیر اسکول پر کم از کم پانچ پانچ لڑکوں کو لے کر جائیں اور وہاں سے ناکام ہونے کی شکل میں حکام بالا تک جائیں اور آخر میں ہائی کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹائیں تو ضرور کامیابی ہو سکتی ہے۔ مگر اُردو والوں کے پاس نہ تو ایسی کوئی مضبوط تنظیم ہے اور نہ ان کو کہیں سے سہارا ملنے کی توقع ہے اس لئے حکومت خوب جانتی ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گی اور کہا یہ جائے گا کہ اُردو سہ لسانی فارمولے میں شامل ہے ہرگز خارج نہیں ہوئی ہے کیونکہ آخر چودہ زبانوں میں اُردو بھی تو ہے۔ اور اس حکومت کی پوری مشنری طرح طرح سے اپنی طاقت لگا کر عملاً اُردو کو نابود کرنے کی جدوجہد کرے گی۔

حکومت کی مشنری حرکت میں

چنانچہ حکومت کی مشنری کا توپ خانہ اُردو پر گولہ باری کرنے کے لئے مختلف محاذوں پر گردش میں آ گیا ہے۔ اول تو امتحانات ختم ہونے کے بعد اس امر کا جائزہ لیا جا رہا ہے کہ کہاں کتنے لڑکے کس زبان کو تیسری زبان کی حیثیت سے لینا پسند کریں گے۔ اس جائزے میں کئی باتیں قابل غور ہیں مثلاً (۱) یہ جائزہ امتحانات کے بعد شروع ہوا ہے جب طلبا اور ان کے سرپرستوں سے مشورہ کا موقع نہیں ہے۔ اس لئے حکومت نے اپنے رویّہ اور اُردو والوں نے اپنی کم نظری سے جو فضا بنا دی ہے اس میں اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان سنسکرت لکھ دیں گے اور حکومت کے پاس اعداد و شمار کا ایک ذخیرہ مہیا ہو جائے گا۔

(۲) جہاں تک اُردو کا تعلق ہے یہ جائزہ غلط واقعات کے ... حالات کبھی ظاہر نہیں کریگا کیونکہ اُردو دشمنی عام ہے اور اس سلسلے میں دروغ بیانی کوئی جرم نہیں ہے بلکہ مستحسن متصور ہوتی ہے۔

(۳) اگر درجوں کے اُردو والے لڑکوں کی تعداد سے اعداد و شمار لئے جائیں تو وہ بھی غلط ہوگا کیونکہ وہ لڑکے امتحان کے بعد اس درجے سے نکل چکے اور جدید لڑکے جو داخل ہوں گے یا اس درجے میں آئیں گے

ان کا اس وقت کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

پھر اگر حکومت ایمانداری سے کوئی جائزہ لینا چاہتی تھی تو اس کا یہ طریقہ نہیں تھا بلکہ چاہئے یہ تھا کہ یہ جائزہ جولائی میں اسکولوں کے کھلنے کے بعد لیا جاتا اور چھپے ہوئے فارم تمام بچوں کے کارکنوں کے پاس تقسیم کئے جاتے اور ان کے دستخط سے ان کی رائے معلوم کی جاتی اور پھر نتائج کا صحیح اندازہ کرکے ایسا طریقہ استعمال کیا جاتا جس سے غلط بیانی کے امکانات ختم ہو جاتے۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت یہ جائزہ صرف سنسکرت کے فروغ کے مقصد کو قوت پہنچانے کے لئے کر رہی ہے جس کا مقصد ایک اور صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ اردو کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

ضلع انترم پریشد بستی کی تجویز

دماغوں کے مسموم ہونے کا اندازہ ضلع انترم پریشد بستی کی ایک تجویز سے ہوگا۔ چونکہ شروع ہی میں گورنمنٹ نے سنسکرت کو سہ لسانی فارمولے میں داخل کر دیا تھا جسے بعد کو ملتوی کیا۔ اس لئے لوگ اشارہ سمجھ گئے ہیں اور دیوانہ وار ہوئے جس سمت کے مصداق سنسکرت کو لازمی کرنے کی فکر میں ہیں چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ ۲۸ مارچ ۱۹۶۳ء کو ضلع انترم پریشد بستی میں حسب ذیل تجویز منظور ہوئی ہے۔

"سروسمت (اتفاق رائے) سے یہ نشچے (طے) ہوا کہ انترم ضلع پریشد کے انترگت (ماتحت) پرائمری (ابتدائی) جونیئر ہائی اسکولوں میں انواریہ روپ سے (لازمی طور پر) سنسکرت شکشا (تعلیم) کو جولائی ۱۹۶۳ء سے لاگو کیا جاوے، جس کے لئے یوگ (ضروری قابلیت رکھنے والے) ادھیاپکوں (معلمین) کی نیکتی (تقرری) کی جائے"۔ یہ تجویز اس مثل کے مصداق ہے کہ بلی تھیلے کے باہر آگئی۔ حکومت تو ادھر ادھر کی باتیں کرتی ہے لیکن ضلع انترم پریشد بستی جس پر کانگریس کے مخصوص عقیدین کا قبضہ ہے صاف صاف میدان میں آگئی ہے اس نے ہر جونیئر ہائی اسکول میں سنسکرت کو لازمی قرار دے دیا ہے۔ یہ تجویز قطعی طور پر ضلع انترم پریشد کے حدود و اختیارات کے اندر نہیں ہے۔ تعلیمی پالیسی کا تعین پریشد کے دائرہ عمل سے باہر ہے مگر میں تو منافقانہ طرز عمل پر اس کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ بستی کے اردو داں طبقے کے لئے ایک چیلنج ہے اور ہم لوگ امید ہے کہ اس کا گرم استقبال کریں گے اسی کے ساتھ پورے اردو داں طبقے کو چونکا دینے کے لئے یہ تجویز کافی ہے اور سب کو سمجھ لینا چاہئے کہ ہوا کا رخ کدھر ہے۔ اور کس قسم کی مشکل سے وہ دوچار ہیں۔

اپنوں کا رویہ

اس قسم کے معرکوں کے وقت مجھ کو شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا مشہور مقولہ بار بار یاد آتا ہے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم که با من ہر چه کرد آں آشنا کرد

جہاں دیکھو سروسمت " (اتفاق رائے) ہے، ایک بھی خلاف آواز اٹھانے والا نہیں۔ جب ۱۹۵۹ء کے پراسپکٹس کو وہی تعلیمی کونسل کے وفد کی ملاقات کے وقت ڈائرکٹر محکمہ تعلیمات نے منسوخ کیا تو مولانا شاہد فاخری نے ڈائرکٹر سے سوال کیا کہ آخر ایک ایسا اعلانیہ جاری کیوں ہوا تھا جس میں مسلمان بچوں کو تارا بیو چاکرنے کو کہا گیا تھا تو ڈائرکٹر نے جواب دیا کہ جس کمیٹی نے یہ پراسپکٹس طے کیا تھا اس میں تین مسلمان تھے اور یہ پراسپکٹس اتفاق رائے سے تیار ہوا تھا ان مسلمانوں کے دستخط کی وجہ سے میں مطمئن ہو گیا۔ اور نہ عام طور پر میں ان معاملات میں جو کہنا چاہتا ہوں، یہ تو ہوا مسلمانوں کا معاملہ مگر اردو والوں کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ چنانچہ کرپلانی کمیٹی کی نہر آنود رپورٹ آئی تو وہ بھی اتفاق رائے سے طے ہوئی تھی اور کسی نے آج تک اتنی ہمت نہیں کی کہ وہ کہہ دیتا کہ رپورٹ پر دستخط کرنے میں مجھ سے غلطی ہوئی۔ اچاریہ کرپلانی نے حال میں بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رپورٹ کو اتفاق رائے سے منظور کرانے میں جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ پنڈت جواہر لال نہرو بھی انجام نہ دے سکتے تھے۔ یہی حال اس ضلع پریشد بستی کی تجویز کا ہے۔ جب میں نے اپنے ان ساتھیوں سے جو ضلع پریشد کے بھی ممبر ہیں اور انجمن ترقی اردو کے بھی عہدیدار ہیں سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ تجویز جو سنائی گئی وہ دوسری تھی، موجودہ شکل میں اسے بعد کو مرتب کیا گیا ہے۔

مجھے تفصیل نہیں معلوم لیکن پھر بھی میرا خیال ہے کہ اگر وہ چوکنے رہتے تو ایسا نہ ہوتا۔

اب اسی سنسکرت والے معاملے کو لیجئے۔ جو بھی صاحب قلم میدان میں آتا ہے وہ یہ ضروری سمجھتا ہے کہ سنسکرت کی مدح سرائی میں ایک قصیدہ ضرور پڑھے اور تب اپنی بات بہت ڈرتے ڈرتے اس طرح کہے جس طرح ۱۹۲۲ء میں امرتسر کے ایک قوم پرور اخبار نے لکھا تھا کہ "حکومت نے گولی چلائی یہ کچھ اچھا نہیں کیا"۔ پروفیسر احتشام حسین صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس جانب تمام اردو دوستوں کی توجہ مبذول کی ان کا مضمون جامع ان کے دلائل قوی ہیں مگر انھوں نے بھی یہ لکھنا ضروری سمجھا کہ سنسکرت ایک عظیم زبان ہے اس میں گوناگوں خوبیاں ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب درجہ ۶ کے بچے کو ایک تیسری زبان پڑھانے کی بحث ہو رہی ہے تو اس میں سنسکرت کے ادب کی خوبیوں کے تذکرے کا کیا موقع ہے۔ کیا یونانی لاطینی عربی اور فرنچ عظیم زبانیں نہیں ہیں۔ گریجویٹ اسٹیج سے آگے بچوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ کسی ایک کلاسیکل زبان میں مہارت حاصل کریں آپ سنسکرت کو بھی اس میں شامل کریں تو ہر شخص اس کا خیر مقدم کرے گا لیکن جب گفتگو درجہ ۶ کے بچے کو اپنی مادری زبان اردو اور سنسکرت میں انتخاب کرنے کی ہو رہی ہو تو یہ تمام باتیں (گستاخی معاف) بے محل اور بے موقع ہیں اور اسے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ احساس کمتری پر مبنی ہیں۔ بعض اخبارات نے اس مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے عجیب قسم کی بھول بھلیاں میں ہم کو ڈالا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر سب کیوں ہو رہا ہے اور ہم اپنے صحیح اور سچے خیالات کو جو دستور کے موافق اور انسانیت اور اصول کے ترازو پر پورے اترتے ہیں صفائی سے کیوں نہ ظاہر کریں اور اپنے مدعا کو حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی آئینی تدبیر اختیار کرنے میں کیا رکاوٹ ہے۔ جو لوگ دستور کو ملیامیٹ کرنے کی فکر میں ہوں ان کے ارادوں کو ناکام بنانے کی کوشش کرنا ہر محب وطن کا فرض ہے۔

اردو اور نیشنلزم کی آخری خندق لڑائی

اردو والوں کو نیشنلزم کے جھنڈے کے نیچے پندرہ سال کے اندر بہت پاپڑ بیلنے پڑے اور ہم ایک پیچ پر اپنا معاملہ لے آئے ہیں یہ آخری خندق کی لڑائی ہے اس کے بعد شاید میدان صاف ہو جائے گا۔

صاف صاف بتلا دینا چاہیے کہ ہمارے اصول حسب ذیل ہیں۔

(۱) پروفیسر آل احمد سرور کی زبان میں ہم نے ہندی کو بطیب خاطر سرکاری زبان منظور کر لیا ہے۔ اس میں کوئی اگر مگر نہیں ہے۔

(۲) ہم اردو کو زندہ و قائم رکھنے کے دستور میں دئے ہوئے حق کے مطابق عزم بالجزم کر چکے ہیں اور کسی صورت میں اسے فنا نہ ہونے دیں گے اور ہمارا یہ پروگرام جمہوریت کی بقا اور سوشل جسٹس کے قیام کے لئے ضروری ہے۔ ہم نے خوب سوچ سمجھ کر یہ بات طے کی ہے اور ہندوستان کے تمام انصاف پسند ماہرین قانون و لیڈران ریاست ہمارے ہمنوا ہیں۔

(۳) ہم کسی ایسے فارمولے کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جس سے اردو کی بقا یا اردو کی ترقی پر ضرب لگتی ہو اس لئے ہم سہ لسانی فارمولے میں سنسکرت کو کسی حال میں منظور نہیں کر سکتے۔ صورت حال یہ ہے کہ ہندی اس ریاست کی علاقائی زبان ہے اس لئے اس کا پڑھنا ضروری ہے، انگریزی ایک دوسری زبان ہے جس کا پڑھنا ان بہت سے وجوہ سے ضروری ہے جو بار بار بحث میں آ چکے ہیں، اب باقی رہی سہ لسانی فارمولے کے تحت صرف ایک تیسری زبان۔ وہ ان لوگوں کے لئے جن کی مادری زبان اردو ہے اردو ہی ہو سکتی ہے، اس لئے اردو والوں کے لئے سہ لسانی فارمولے میں سنسکرت کی گنجائش نہیں ہے۔ پس اگر سنسکرت کو تیسری زبان قرار دیا جائے گا تو اردو آپ سے آپ ختم ہو جائے گی۔

(۴) اگر یہ کہا جائے کہ ہندوستان کی چودہ زبانوں کو اگر اصولاً سہ لسانی فارمولے میں شامل کر دیا جائے تو اس میں اردو بھی آ جاتی ہے تو ہم اسے فریب تصور کرتے ہیں اور اپنے بے شمار تجربات کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ حکومت اس طرح بلا زبان سے کہے کہ وہ اردو کو درجہ ۶ سے فنا کر دینا چاہتی ہے ایسا کرنے کا عملی قدم اٹھا رہی ہے۔ کیونکہ عملاً وہی ہوگا جو ضلع انترم پرشد بستی نے پاس کیا ہے اور ہم کیسے ایک ایک اسکول پر جنگی محاذ تیار کریں گے۔

(۵) سنسکرت ایک عظیم زبان ہے یا نہیں اسے تو وہ لوگ جانیں جو سنسکرت سے واقف ہوں ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ ہمیشہ برہمنوں کی زبان رہی ہے اور برہمنوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے اس کا پڑھنا جرم رہا ہے، تاہم اگر سنسکرت کو یونی ورسٹی کی سطح پر رائج کیا جائے تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے بشرطیکہ جبراً نہ ہو بلکہ ترغیب و تحریص کے راستے سے ہو یعنی یہ کہ جو لڑکا سنسکرت لے اسے وظیفہ دیا جائے یا اور خاص قسم کی مراعات دی جائیں لیکن درجہ ۶ میں سنسکرت کو جبراً سہ لسانی فارمولے میں شامل کرنے کا اس کے سوا اور کوئی منشا ہو نہیں سکتا کہ (الف) بچے کے دماغ کو ایک خاص مذہبی سانچے میں ڈھالا جائے اور (ب) ہندی اور سنسکرت پڑھا کر ان بچوں کو جن کی مادری زبان اردو ہے اردو سے اس طرح بیگانہ کر دیا جائے کہ اس سے ان کا کسی قسم کا لگاؤ باقی نہ رہے اور اس طرح اردو کو یک قلم ختم کر دیا جائے۔ کرپلانی رپورٹ میں اردو کو درجہ ۶ سے بالصراحت مٹا دیا گیا تھا اور وہی اب اس طرح کیا جا رہا ہے یہ سب ناقابل برداشت ہے۔

ہم کیا کریں

اب سوال یہ ہے کہ محبان اردو کیا کریں؟ اخبارات میں کچھ عجیب عجیب مشورے دئے جاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہندی والوں کو ملا لینا چاہئے کوئی یہ صلاح دیتا ہے کہ صبر و ضبط سے کام لیا جائے اور رو بار نہ ... پیش کی جائے یعنی یہ کہ جولائی سے سنسکرت رائج ہو کر اردو کا تو جنازہ نکل جائے گا اور ہم لوگ روز محشر تک انتظامات میں مشغول رہیں۔ اکثر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اس طرح کا خوف و ہراس کیوں چھایا ہوا ہے؟ میں تو یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہوں کہ دستور میں دئے ہوئے حقوق کے بارے میں ہم لوگوں کا یقین غیر محکم اور ہمارا جذبۂ ایثار خام ہے۔ میری رائے میں ضرورت ہے کہ ہم محبان اردو اپنے جذبات و احساسات کو بالم اشکارا کریں اور یہ واضح کر دیں کہ ہم اپنے بچوں کو نہ تو چار زبانیں پڑھانے پر راضی ہوں گے اور نہ سنسکرت کو اردو کے بجائے قبول کریں گے اس لئے محبان اردو کو اٹھنا چاہیے اور متحد ہو کر حسب ذیل طریقۂ کار اختیار کرنا چاہیے۔

(۱) ابھی تک یہ قانون نافذ ہے کہ جس جونیر ہائی اسکول یا ہائی اسکول میں پانچ لڑکے یہ ارادہ ظاہر کریں کہ وہ اردو کا مضمون لینا چاہتے ہیں تو محکمہ تعلیمات حکومت یوپی وہاں اردو کا انتظام کرنے کے لئے مجبور ہے اس لئے ریاست اتر پردیش میں جگہ جگہ چھپے ہوئے فارم پر دستخط کرا کے درخواست دینا چاہیے کہ ہم ہندی اور انگریزی کے ساتھ اردو لینا چاہتے ہیں۔

(۲) اس فارم کی تین نقلیں ہونی چاہئیں ایک اس اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو دینی چاہیے دوسری انسپکٹر مدارس کو اور تیسری ضلع کے اس نظام کو دینا چاہیے جو اس کام کی ذمہ داری لے اور اس کو طے کرائے۔

(۳) اگر ہیڈ ماسٹر اردو دینے پر راضی نہ ہوں تو فوراً حکومت کو متوجہ کرنا چاہیے لیکن بس اسی پر اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ ہائی کورٹ میں رٹ بھی داخل کرنا چاہیے اور رٹ امید ہے کہ یقینی طور پر کامیاب ہوگی۔

(۴) تمام ریاست اتر پردیش کے اردو والوں کو آمادہ کرنا چاہیے کہ وہ مضبوط رویہ اختیار کریں اور کثرت سے رضا کار تمام ریاست میں پھیل جائیں اور بچوں کے گارجین کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کریں اخبارات اور رسائل میں شدت سے مضامین لکھے جائیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو کو بھی حالات کی اطلاع دی جائے اور الغرض اس بلا کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر ہم میدان میں اتر گئے تو یقین ہے کہ حکومت اپنی پالیسی بدلنے پر مجبور ہوگی لیکن اگر ہم نے اس وقت اپنی پوری کوشش نہ کی تو اردو کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔ (ندائے ملت)

امریکہ میں اُردو مشاعرہ

میڈیسن ۔ ۱۰ جون ۶۳ ۱۹ء

امریکہ کی وس کان سن یونی ورسٹی کے شعبۂ علوم ہند میں اُردو پچھلے تین سالوں سے پڑھائی جا رہی ہے۔ حال ہی میں یہاں اُردو سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ سوسائٹی کی سرگرمیوں کی ابتدا اُردو مشاعرے سے کی گئی۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا ”میڈیسن کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا اجتماع ہے۔ اُردو جنوبی ایشیا کی اہم ترین زبانوں میں سے ہے۔ نئے ہندوستان کے آئین میں سیکولرازم کا جو نصب العین پیش کیا گیا ہے، اُردو صدیوں سے اس کی ترجمان رہی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اُردو سوسائٹی کی کوششیں صرف اُردو کے لئے وقف نہیں رہیں گی بلکہ یہ ہندوستان کی دوسری زبانوں کی ترویج میں بھی حصہ لے گی۔ مجھے مسرت ہے کہ میری تجویز پر شعبۂ علوم ہند نے طے کیا ہے کہ اس سوسائٹی کے زیر اہتمام مختلف امریکی یونی ورسٹیوں کے ماہرین ہندیات کے لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا جائیگا جس کے اخراجات شعبہ ادا کرے گا۔ مشاعرہ میموریل یونین کے گلابی کمرے (روز ڈروم) میں منعقد ہوا۔ فرش کا باقاعدہ انتظام تھا اور کافوری شمعیں روشن کی گئی تھیں۔ سامعین سے کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اپنا کلام سُنانے والے کم تھے، زیادہ تر میرؔ، غالبؔ، ظفرؔ، جگرؔ، فراقؔ، فیضؔ، عدمؔ، مجازؔ، جذبیؔ، آزادؔ، ساحرؔ، مجروحؔ، مخدومؔ، شکیلؔ وغیرہ کا کلام پیش کیا گیا جسے سامعین نے بے حد پسند کیا۔ غزلیں سنانے والوں میں امریکی طالبات اور طلبہ بھی تھے۔ اُردو شاعروں کے علاوہ کالی داس (سنسکرت)، سور داس (ہندی)، سری سری (تیلگو) اور وارث شاہ (پنجابی) کی نظمیں بھی سُنائی گئیں۔ آخر میں صدر جلسہ پروفیسر رابنسن نے اُردو میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ محفل ہر لحاظ سے پُرلطف رہی اور اس سے ہزاروں میل دور ہندوستان کی یاد تازہ ہو گئی۔ (ڈین جنرل سکریٹری)

ادبی مجلس نئی دلّی

ادبی مجلس (نئی دہلی) کی ایک نشست کل تعمیر کمیونی کیشنز بلڈنگ کناٹ سرکس میں ہوئی جس کی صدارت جناب گوپی ناتھ امن نے کی۔

گربچن چندن نے ایک مکتوب بعنوان ”ہیون سانگ کا خط ماؤ سی تنگ کے نام“ اور ایک افسانہ ”مجرم“ سنایا۔

”ہیون سانگ کے خط“ پر رائے زنی کرتے ہوئے ارکان نے کہا کہ ہندوستان اور چین کے تعلقات کے موضوع پر یہ ایک خاصے کی چیز ہے۔ اس میں بڑی دیدہ ریزی سے تاریخی حقائق کے ساتھ ساتھ دو دانش وروں کے نظریات کا جائزہ دیا گیا ہے۔ اور مستقبل کے لئے تعمیری سمجھاؤ دیا گیا ہے۔ موجودہ ہنگامی حالات کے ادب میں یہ ایک بہت سنجیدہ کاوش ہے۔

افسانہ ”مجرم“ پر دلچسپ بحث ہوئی۔ اس میں ایک اتفاقی چہرے کی ذہنی کشمکش پیش کی گئی ہے۔ بحث میں شامل ہونے والوں نے اسے ایک کامیاب نفسیاتی مطالعہ قرار دیا۔ اعتراضات میں کہا گیا کہ اس میں ”انصاف شاعرانہ“ کی جھلک ہے اور ٹیکنیک بہت بیکھا ہے۔

پروگرام کے شعری حصہ میں پنجاب کے راج کوی اندرجیت سنگھ تلسی نے ”چوری“، ”ہریالی کے پاؤں“ اور ”نئے ٹھاکر“ کے عنوان سے اپنی نئی نظمیں سُنائیں۔ نشست کے صدر امن صاحب نے اپنی مقبول عام نظم ”نئے ٹیکس“ سُنائی۔ (صابر ابوہری)

انجمن تعمیر اُردو دِلّی

دلّی، ۱۹ جون۔ انجمن تعمیر اردو دلّی کی ہفتہ وار ادبی نشست اتوار کو منعقد ہوئی۔ ناگپور یونی ورسٹی کے لیکچرار جناب منشاءالرحمٰن خاں منشاؔ ناگپوری نے صدارت کی اور اپنی تقریر میں مہاراشٹر میں اُردو کی خدمت اور حکومت کے مستحسن رویہ اور امداد کا ذکر کرتے ہوئے دلّی اور یوپی میں اُردو کے مستقبل پر اظہار افسوس کیا۔ بعد از آں ظ۔ انصاری صاحب نے روس سے واپسی پر غیر ممالک میں اُردو کاموں سے گھٹتی ہوئی دلچسپی پر اظہار تاسف کیا۔ ان کے بعد جناب مخمور سعیدی نے ایک غزل اور ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے ایک نظم تنقید میں سُنائی جو بہت پسند کی گئیں۔ تنقیدی گفتگو میں گلزار دہلوی، ظ۔ انصاری، منشاءالرحمٰن، محسن زیدی، محمود ہاشمی اور مخمور صاحبان نے حصہ لیا۔ جناب صدر منشاؔ صاحب ناگپوری کے کلام پر نشست برخاست ہوئی۔ (گلزار زتشی دہلوی۔ جنرل سکریٹری)

حیدر آباد میں لسانی کنونشن

حیدر آباد - ۲۰ جون - سابق چیف منسٹر حیدر آباد و سابق گورنر یو، پی ڈاکٹر بی، ایم کرشنا راؤ رکن پارلیمنٹ نے آج یہاں کہا کہ ہندوستان کی مسلمہ ۱۴ زبانوں کو ایک دوسرے سے قریب تر کرنے اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے حیدر آباد میں لینگو یجس کنونشن کا انعقاد عمل میں آرہا ہے، اس کنونشن کا افتتاح صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر رادھا کرشنن ۲۱ جولائی کو کریں گے۔ اس کنونشن کے زیر اہتمام ۲۲ جولائی کو مشاعرہ وکوی سمیلن ڈاکٹر بی گوپالا ریڈی مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات کی صدارت میں منعقد ہو گا۔ ریاستی چیف منسٹر ڈاکٹر سنجیوا ریڈی جو سبھا کے صدر ہیں خطبۂ استقبالیہ پڑھیں گے۔ کنونشن کے جنرل سکریٹری مسٹر ایس برہمیا سکریٹری دکھشن ہندی پرچار سبھا آندھرا پردیش نے آج سبھا کے آفس خیر آباد میں ایک پریس کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا کہ کنونشن کے دوروزہ پروگرام کو قطعیت دے دی گئی ہے۔ اس میں جنوبی ہند سے دو ہزار مندوبین کی شرکت کی توقع ہے۔ مرکزی حکومت نے اس پروگرام کی عمل آوری کے لئے ڈھائی ہزار روپے کا عطیہ دیا ہے۔ ریاستی حکومت سے بھی خاطر خواہ امداد کی توقع ہے۔

اس کنونشن میں ہندوستان کی ۱۱ مسلمہ زبانوں کی نمائندگی حسب ذیل اصحاب کر رہے ہیں:

(۱) مسٹر سی۔ پی لکشمی کانم ترو پتی (تلگو) کے لکشمن شاستری حیدر آباد (سنسکرت) کے چندر شکھرن مدراس (ٹامل) سری کرشنا شرما بنگلور (کنڑی) بن وتیشوان مدراس۔ (ملیالم) کے جرن بنگڑی اڑلیسہ بھونیشور کے وست حیدر آباد (گجراتی) سریدھر کلکرانی مہاراشٹر ڈاکٹر این۔ سی۔ مکرجی (بنگالی) ڈاکٹر مسعود حسین خاں (اردو) ہرنس سنگھ ملکوت (پنجابی) وغیرہ

کنونشن کے پروگرام کے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ ۲۱ جولائی ۸ بجے صبح صدر پردیش کانگریس پرچم کشائی کی رسم انجام دیں گے۔

۱۰ بجے مسٹر ڈی سریجوا آہنگر صدر کنونشن کا ایگزیکیٹو کونسل سے تعارف، چیف منسٹر ڈاکٹر نیلم سنجیوا ریڈی خطبۂ صدارت پڑھیں گے۔ مسٹر سری برہمیا رپورٹ اور صدر جمہوریہ ہند افتتاح اور مرکزی وزیر داخلہ مسٹر لال بہادر شاستری صدارت کریں گے، اور رات میں ڈرامہ پیش کیا جائے گا۔

۲۲ جولائی کو ۸ تا ۱۱ بجے دن ڈاکٹر بی کرشنا راؤ کی زیر صدارت آل انڈیا لنگو یجز کنونشن کا انعقاد عمل میں آئے گا۔ بعد میں پرلی منڈل سمیلن منعقد ہو گا۔ اسی دن ۵ بجے کوی سمیلن اور مشاعرہ منعقد ہو گا۔ (الجمعیۃ)

اُردو زبان میں سانیٹ کا مجموعہ

ڈاکٹر عزیز تمنائی کے سانیٹوں کا مجموعہ "برگ سبز" کے نام سے خوبصورت ٹائپ میں چھپ رہا ہے اور "دار التصنیف مدراس ۱۴" سے جولائی کے پہلے ہفتے میں شائع ہو رہا ہے۔

"محفل ادب جمشید پور کا انتخاب"

محفل ادب ساکچی جمشید پور کا انتخاب عمل میں آیا۔ اور مندرجہ ذیل عہدے دار منتخب ہوئے۔

سرپرست جناب آشنا صدیقی۔

صلاح کار (۱) پروفیسر منظر شہاب (۲) ناکل

صدر: محمد قمر الدین ایڈوکیٹ۔ نائب صدر: حنیف منصور ناہر۔ جنرل سکریٹری: وجیہ الدین شمس صدیقی۔ جوائنٹ سکریٹری: وہندہ حسن اختر ادیب (علیگ)۔ پروپگنڈا سکریٹری: منظر کاظمی۔ خازن: سمیع احمد خاور۔ (منظر کاظمی)

مرکز ادب گورکھپور

"مرکز ادب" گورکھپور کی ماہانہ نشست احمر لاری کے مکان پر ۲۰ جون ۱۹۶۳ء کی شب میں زیر صدارت جناب عبد الرؤف تیمی صدر انجمن منعقد ہوئی۔ ناظم اعلیٰ جناب ایم کوٹھیادی راہی نے گزشتہ سال کی رپورٹ پیش کی۔ اس کے بعد نشست کا باقاعدہ آغاز ایم۔ کوٹھیادی راہی کے افسانہ "روح کا کفن" سے ہوا جسے حاضرین نے بہت پسند کیا۔

جناب ایس۔ ڈین بستہا (ڈیولپمنٹ افسر) حضرت احمر گورکھپوری، ایم کوٹھیادی راہی، غلام رسول مکرانی، عرفی آفاقی، اشفاق اعظمی، انجم عرفانی اور شوکت علوی نے مختلف موضوعات پر نظمیں سنائیں۔ غزلوں کا دور بھی دلچسپی سے جاری رہا۔ (احمر لاری)

اُردو کی ترقی کے لئے دیوناگری خط ضروری ہے

حیدرآباد ۲۰ / جون۔ مسٹر ہنس راج رہبر نے اُردو شعر و ادب کے عظیم الشان ورثہ کے تحفظ اور فروغ کے لئے رسم الخط کی تبدیلی اور دیوناگری رسم الخط کو اپنانے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ انھوں نے کہا "اس کے بغیر موجودہ حالات میں ہندوستان میں اُردو کا مستقبل مجھے روشن نظر نہیں آتا۔" مسٹر رہبر جو ترقی پسند مصنفین کے کیمپ میں اُردو کی نمائندگی کرتے ہیں آج ایک خصوصی ملاقات میں آزادی کے بعد ہندوستان میں اُردو کے موقف اور اُردو ادیبوں اور شاعروں کے مسائل پر سیر حاصل بحث کی اور تبدیل شدہ حالات میں اُردو کے فروغ کے لئے رسم الخط کی تبدیلی کو ناگزیر قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ گو میں بنیادی طور پر اُردو کا ادیب ہوں لیکن مجھے اور میرے ہم عصروں کو اپنی تخلیقات زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے اور اپنے فن کو روزی کا ذریعہ بنانے کے لئے ہندی کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ مسٹر رہبر نے کہا کہ آج اگر فارسی رسم الخط میں اُردو کی کوئی کتاب لکھی جاتی ہے تو انفرادی ادیب کو تو کجا ساہتیہ اکیڈمی تک کو کوئی پبلشر نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف یہی کتاب اگر دیوناگری رسم الخط میں ہو تو اس کی اشاعت نہ صرف آسان ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائی جا سکتی ہے۔ اس خصوص میں مسٹر رہبر نے بتایا کہ انھوں نے دیوان غالب، بانگ درا (اقبال) اور مقدمہ شعر و شاعری (حالی) کا ہندی میں جو ترجمہ کیا اس کی اشاعت میں نہ صرف زیادہ مشکل پیش نہیں آئی بلکہ کتاب بے حد مقبول بھی ہوئی۔ مسٹر رہبر نے آگے چل کر کہا کہ بنیادی طور پر ہندی اور اُردو میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ دونوں طرف کے لوگ اپنے ذہنوں کو تعصب اور دلوں کو کدورت سے پاک کر کے ایک صحت مند نقطۂ نظر سے اس سوال کا جائزہ لیں کہ دونوں زبانوں کے حسین امتزاج سے کس طرح ایک ملی جلی زبان کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ مسٹر رہبر نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اُردو کے لکھنے والوں کو چاہئے کہ وہ اپنی نگارشات اور تخلیقات میں سماجی شعور کو ابھار دینا بنالیں۔ مسٹر رہبر نے لسانی مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہندی کو بہ حیثیت قومی زبان اس کا جائز مقام دلانے اور علاقائی زبانوں کی نشو و نما اور ترقی کی رفتار میں تیزی پیدا کرنے کے لئے انگریزی کے موجودہ تسلط کو بلا تاخیر مزید ختم کرنا بے حد ضروری ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس دلیل میں کوئی وزن نہیں ہے کہ انگریزی کے بغیر ہم جدید علوم و فنون اور افکار و خیالات سے محروم ہو جائیں گے۔ اس سلسلے میں مسٹر رہبر نے سوویت یونین، چین اور جاپان کی مثال دی کہ ان ملکوں نے ساری ترقی ان کی اپنی قومی زبانوں ہی میں کی اور انگریزی سے عدم واقفیت ان کی ترقی کی راہ میں روڑا نہیں بن سکی۔ ترجمہ کے تعلق سے ایک استفسار پر مسٹر رہبر نے کہا کہ چونکہ کم و بیش تمام ہندوستانی زبانوں کا سرچشمہ سنسکرت ہے اور ان کی جڑیں ہندوستانی تہذیب میں پیوست ہیں۔ اس لئے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے میں اتنی دشواری پیش نہیں آتی جتنی کہ کسی غیر ملکی زبان سے ترجمہ میں پیش آتی ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں جو چیز شرط اولین کی حیثیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ ترجمہ کرنے والے کو اس زبان پر کامل عبور ہونا چاہئے جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہو۔ (سیاست حیدرآباد)

دیوناگری خط اُردو کے لئے مضرت رساں ہے

حیدرآباد ۔ ۱۰ / جون۔ جناب حبیب الرحمن صاحب معتمد انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش نے مسٹر ہنس راج رہبر کے اس صحافتی بیان پر تعجب فرمایا ہے جس میں انھوں نے ہندوستان میں اُردو کی بقا اور ترقی کے لئے دیوناگری رسم الخط اپنائے جانے کو ضروری اور ناگزیر قرار دیا ہے۔ واضح ہو کہ مسٹر ہنس راج رہبر ترقی پسند مصنفین کے کیمپ میں اُردو کی نمائندگی کرتے ہیں۔

جناب حبیب الرحمن نے کہا کہ مسٹر ہنس راج رہبر نے اُردو رسم الخط کی تبدیلی کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے جو دلائل پیش کئے ہیں ان سے تشفی نہیں ہوتی۔ انھوں نے اپنے دعوے کی بنیاد اُردو کے مقابلے میں دیوناگری رسم الخط کی خوبیوں پر نہیں بلکہ صرف اس مصلحت پر رکھی ہے کہ اُردو رسم الخط میں جو کتابیں لکھی جاتی ہیں ان کے لئے کوئی پبلشر نہیں ملتا کیونکہ ان کی نکاسی دشوار ہے اس کے برعکس ہندی کتابوں کا مارکٹ بہت وسیع ہے اور روز بروز وسیع ہو رہا ہے۔ کیا ہم رہبر صاحب سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ گذشتہ ۱۵، ۱۶ سال سے ہندوستان کی ہر زبان کا مارکٹ تو وسیع ہو رہا ہے اگر نہیں ہو رہا ہے تو صرف اُردو کا۔ کیوں؟ کیا اصلی وجہ یہ نہیں ہے کہ جہاں دوسری زبانوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا جا رہا ہے وہیں بڑے اہتمام کے ساتھ اُردو زبان کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ اتر پردیش، مدھیہ پردیش، بہار اور دوسری کئی ریاستوں میں جو ظلم اُردو کے ساتھ کیا جا رہا ہے اس سے رہبر صاحب ناواقف نہیں ہیں۔ اگر آزادی کے بعد اُردو کے ساتھ ناروا سلوک نہ ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اُردو رسم الخط میں چھپنے والی کتابوں کا مارکٹ بھی وسیع نہ ہو۔ آزادی سے پہلے خود ہندی کتابوں کی مارکٹ کا کیا حال تھا۔ آج جو اس مارکٹ میں زبردست ترقی ہوئی ہے وہ خود اس زبان کی اور اس کے رسم الخط کی ذاتی خوبیوں کا نہیں بلکہ اس غیر معمولی ہمت افزائی اور کروڑہا روپے کے اس سرمایہ کا نتیجہ ہے جو ہندی کی توسیع پر بے دریغ خرچ کیا جا رہا ہے۔ ہم اُردو بولنے والے ان الطاف و عنایات کے خواہاں نہیں ہیں ہم تو صرف انصاف کے طالب ہیں۔ اُردو بولنے والوں کو ان کی اپنی زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے وہی مواقع بہم پہنچائیے جو دوسری زبانوں کو حاصل ہیں اور پھر اُردو کو اس کے حال پر چھوڑ دیجئے اس میں اب بھی اتنا دم باقی ہے کہ بغیر کسی دست کرم کے اپنے پاؤں پر آپ کھڑی رہ سکے۔ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ہندوستان میں ہندی کے بعد سب سے بڑی تعداد اُردو بولنے والوں کی ہے۔ ان کروڑوں کو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے بنیادی حق سے محروم نہ کیجئے اس کے بعد آپ دیکھئے گا کہ اُردو کتابوں کا مارکٹ بھی اتنا وسیع ہو جائے گا کہ اُردو لکھنے والے اپنی تخلیقات سے باآسانی اپنا پیٹ پال سکیں گے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ اُردو کتابوں کا ایک مارکٹ ہندوستان سے باہر یعنی پاکستان میں بھی موجود ہے۔ ہند و پاکستان کے تعلقات آج کتنے ہی خراب سہی لیکن کل وہ سدھر جائیں گے کیونکہ یہی قانون قدرت ہے۔ اس وقت اُردو کتابوں کی نکاسی میں اور وسعت پیدا ہوگی اور اُردو کے ادیبوں کی معاشی دشواریاں بڑی حد تک کم ہو جائیں گی۔ محض یہ کہ ایک طرف اُردو کو مٹانے کی کوشش کرنا اور دوسری طرف اس کو یہ طعنہ دینا کہ اس زبان کا کوئی مستقبل نہیں ہے بڑی بے انصافی کی بات ہے۔ جناب رہبر صاحب سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اپنے ہندی دوستوں کو اُردو دشمنی سے اور مرکزی و ریاستی حکومتوں کو اُردو کے ساتھ ناانصافی سے باز آنے کا مشورہ دیں جیسا کہ پنجابی تہذیب کشن پرشاد کول لکھنوی کا دیتے تھے۔ رہبر صاحب جیسے ایسے باضمیروں کی وہ کوشش کہیں زیادہ سود مند ثابت ہوگی۔ (سیاست حیدرآباد)

ضیاء احمد بدایونی

تبصرے

مسئلہ تقلید اور جماعت اسلامی

از مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی
ناشر مکتبہ نظام ۔ کرنیل گنج ۔ کان پور

مفتی صاحب سے کسی نے تقلید کے بارے میں جماعت اسلامی کا مسلک دریافت کیا تھا۔ یہ اس سوال کا جواب ہے جس میں جناب مجیب نے مولانا مودودی کی تصانیف سے یہ دکھایا ہے کہ "میں (مولانا مودودی) نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں" اسی کے ساتھ بتایا ہے کہ مولانا مودودی ایک طرف اپنی جماعت کو اس معاملے میں آزادی بھی دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف بے علم افراد کے لئے تقلید کے جواز اور اہل علم کے لئے عدم جواز کے بھی قائل ہیں۔ اس طرح مولانا کے بیانات میں کئی جگہ تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ کاش جماعت کے ذمہ دار اصحاب اس تضاد کو رفع کرنے کی کوشش فرمائیں۔ اسی کے ساتھ ہم مفتی صاحب سے عرض کریں گے کہ حنفیت اور شافعیت کا پابند نہ ہونا اور بات ہے اور امام ابو حنیفہؒ یا امام شافعیؒ پر اعتماد نہ ہونا دوسری بات ہے۔ علیٰ ہذا مودودی صاحب کے نزدیک عام غیر مقلدین کا مقلد ہونا اس بنا پر ہے کہ ان کے عمل کی اساس ذاتی اجتہاد پر نہیں بلکہ ائمہ حدیث کے ارشادات پر ہے۔

روح دو عالم

مصنفہ مولانا غلام حسین کلیم ساکن جھنجھنوں (راجستھان)
شائع کردہ انجمن ترقی اردو۔ جامع مسجد۔ دہلی ۶
قیمت ایک روپیہ۔

کلیم صاحب کی نعت و منقبت کی نظموں کا مجموعہ ہے ان نظموں میں حسن بیان کے ساتھ ذوق عقیدت کی فراوانی ہے۔ دو ایک جگہ فنی کمزوریاں بھی نظر آئیں۔ مگر ان سے کلام کی مجموعی حیثیت پر اثر نہیں پڑتا۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

نوائے دل

مصنف ۔ منشا ، محمد منشاء الرحمٰن خاں
مرتب ۔ محمد قمرالدین صابری
سائز ۔ ۲۰×۳۰/۱۶ ۔ صفحات ۹۶
ناشر ۔ بیت الاشاعت ۔ چھاؤنی ناگپور
قیمت ۔ ایک روپیہ پچاس نئے پیسے

آہنگ حیات

مصنف ۔ منشا ، محمد منشاء الرحمٰن خاں
مرتب ۔ محمد قمرالدین صابری
سائز ۔ ۲۰×۳۰/۱۶ ۔ صفحات ۲۰۸
ناشر ۔ بیت الاشاعت ۔ چھاؤنی ناگپور
قیمت ۔ دو روپے پچاس نئے پیسے

عبقریت محمد

مصنف ۔ عباس محمود العقاد
مترجم ۔ فروغ احمد
ناشر ۔ ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز ۔ لاہور
سائز ۔ ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۱۲ ۔ قیمت دو روپے

سازِ جمال

مصنف ۔ قیصر قلندر
ناشر ۔ کلچرل ریسرچ سوسائٹی ۔ سری نگر کشمیر
سائز ۔ ۲۲×۱۸/۸ صفحات ۱۸۸
قیمت چار روپے

مکتوبات عبدالحق

مرتب ۔ جلیل قدوائی
ناشر ۔ مکتبہ اسلوب ۔ کراچی
سائز ۔ ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۴۸۶ ۔ قیمت ۱۲ روپے

امام الہند

مصنف ۔ ابو سلمان الہندی
ناشر ۔ مکتبہ اسلوب ۔ کراچی
سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۳۸۶ ۔ قیمت چھ روپے

گل خنداں (سید الشہداء نمبر)

مدیر ۔ پیام شاہجہاں پوری ۔
سائز ۲۲×۱۷ صفحات ۲۱۵
جائے اشاعت ۔ ماہ نامہ گل خنداں ، کشمیری بازار لاہور ۔ (پاکستان)
قیمت ۔ ڈیڑھ روپیہ

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ ، پبلشر نذیر حسن ، پرنٹر ظہیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا